نوجوان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا صبر واستقامت
(عصر حاضر کے نوجوانوں کے لیے مشعل راہ)

Patience of Downtrodden Companions of Prophet Muhammad (ﷺ) as a guideline for youth

ڈاکٹر نور حیات خان*

ڈاکٹر احمد حسن**

ABSTRACT

The patience is the noblest virtue and lays great stress on being patient. Islamic History is full of the examples from the lives of Ṣaḥabah who sacrificed a lot. Islam delineates all the divers and broader aspects of patience in all its form. The need is to follow all these noble personalities called Ṣaḥabah in our lives in this era in order to show tolerance and give respect to others.

The Prophetic era is considered as the golden period wherein great students were trained to teach humanity, courage and determination. Although, having low status in society they taught the world how to lead a purposeful life with good morals and distinctive principles. They were the men rightly guided with high and far-seeing vision of the Prophet (ﷺ). They were the oceans of knowledge, instilled with spirit of service, thus stood as the exemplary icons of practical life. They chose indigent and destitute life but never extended their hands for help for their highly esteemed self-reliance. Those were men of field who never got afraid of anything in their life. They faced all the challenges with faith and patience, and with the spirit of Jihad, they crushed the infidels and uprooted infidelity from Arabian Peninsula.

Owing to their strong faith, they passed through many wild, menacing and brutal stages but never tilted towards the worldly things or people, nor did they compromised on their firm belief and clear stance cultivated by the Holly Prophet (ﷺ). This was the reason they got the title of (رضي الله عنهم) from Almighty Allah. This article is about those weak companions of the Prophet (ﷺ) who were icons of Patience and determination. Their patience is un-exemplary. They were gifted with excellent qualities of forbearance.

***Keywords**: Prophet, Companions, Challenges, Patience and Determination, Cooperation*

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

** لیکچرار اسلامک سینٹر، کوپن ہیگن، ڈنمارک

قرآن مجید نے پیغمبر اسلام ﷺ کے سیرت کو نمونہ عمل قرار دیاہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس سے انسانی تہذیب وتمدن اوراصول و قانون نے جنم لیا ہے اورآپ ﷺ کے لائے ہوئے نظام کی برکت اوراسلامی بھائی چارے کے ذریعے انسان ایک دوسرے کے غم گسار اور مدد گار بن گئے، جو دنیا کے لئے قابل تقلید نمونہ قرار پائے۔ ان عہد ساز ہستیوں کو رسولِ عربی ﷺ کی صحبت پر ناز ہے، جن کے اعلیٰ اخلاق کی ترجمانی اقبال نے ان خوب صورت الفاظ میں کی ہے:

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم

رزم حق وباطل ہو تو فولاد ہے مومن [1]

یہ عظیم انقلابی ہستیاں مشقت ومصیبت سے کبھی نہ گھبرائیں بلکہ راستے کی ہر رکاوٹ کو صبر واستقامت سے عبور کیا اور علم، خدمتِ خلق اور جذبہ جہاد سے ہر قسم کے چیلنجز کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ یہ مقالہ ان نوجواں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے صبر واستقامت کے عظیم کردار کے تذکرہ پر مشتمل ہے۔

صحبتِ نبوی کی برکتیں

نبی کریم ﷺ کی پیدائش کے وقت داداعبد المطلب نے کہا تھا: میرے اس بیٹے کی بڑی شان ہوگی اور یہ حقیقت مسلّم ہے کہ آپ ﷺ کے ذاتِ بابرکات سے آپ ﷺ کی لونڈی ثویبہ جس نے آپ ﷺ کو دودھ پلایا تھا، خوش خبری میں ابولہب سے آزادی پائی اوراسی طرح رضاعی ماں حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا نے تمام بنی ساعدہ سمیت ان سے استفادہ کیا۔

دادا کی وفات پر نبی رحمت ﷺ نے چچا حضرت ابوطالب کے زیر کفالت آتے ہی ان کے گھر کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے قریش کی بکریاں اجرت پر چرائیں اور پچیس سال کی عمر میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مالِ تجارت شام لے جاکر خاطر خواہ منافع کے ساتھ واپس لوٹے۔ان دیانت دارانہ اور مخلصانہ کوششوں کا اثر تھا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا قریشی نوجوان محمد مصطفیٰ ﷺ کی دائمی صحبت اور برکتوں کی حقدار ٹھہری اور آپ ﷺ سے رشتہ ازدواج میں منسلک ہوگئیں اور یوں آپ رضی اللہ عنہا گھرانہ نبوت کی پہلی ام المؤمنین بن گئیں اور ساتھ ہی غارِ حرا سے نزول وحی کا آغاز ےارمضان المبارک کو ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ﴾[2] سے ہوا۔

نوجوانوں پر صحبتِ نبوی کے اثرات

انسانی قوتیں اور صلاحیتیں جوانی میں جو نتائج لاتی ہیں، ڈھلتی عمر میں وہ نتائج نہیں لاسکتیں۔یہی وجہ ہے کہ

(١) علامہ، محمد اقبال، ضربِ کلیم، نیشنل بک فاونڈیشن، اسلام آباد، ١٩٩٦ء، ص: ٦٨

(٢) سورۃ العلق:١ (پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا)

معلمِ انسانیت ﷺ نے بہت سے متنوع قسم کی اہم ذمہ داریاں جوانوں ہی کو تفویض کی تھیں، جس کا تعلق زندگی کے مختلف شعبوں سے تھا اپنے وقت کی اعلی تعلیمی درس گاہ، صفہ میں تعلیم آپ ﷺ خود دیا کرتے تھے، تاہم ابتدائی لکھائی پڑھائی نوجوانوں کے سپرد تھی۔ جنگِ بدر کے جن قیدیوں سے جن بچوں کو لکھائی پڑھائی سکھائی گئی تھی ان میں ایک نوجوان زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بھی تھے جن کی ذہانت اور خوشخطی سے آپ ﷺ متاثر ہوئے اور اپنا پرسنل سیکرٹری بنادیا جس کو فارسی، حبشی، یونانی، اور عبرانی زبانوں میں مہارت حاصل تھی اور عبرانی محض ۱۷دن میں سیکھ لی تھی۔ علاوہ ازیں آپ ﷺ کے دیگر کاتب بھی اکثر نوجوان تھے، مثلاً حضرت علی، معاویہ، ابن مسعود رضی اللہ عنہم وغیرہ نوجوان تھے۔

اسی طرح دیگر اہم ذمہ داریاں بھی اکثر جوانوں کو سپرد کی جاتی تھیں۔ مثلاً حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بارہا فوج کے سپہ سالار مقرر کئے گئے۔ جنگ خیبر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس معرکہ کا افسر بنایا گیا جو تقریباً ۲۵ سال کے جواں تھے اور انہیں گورنری اور قضاء جیسے حساس اوراہم عہدے بھی دیے گئے تھے۔ اسی طرح حضرت عمرو بن حزمؓ رضی اللہ عنہ کو اہل نجران کا گورنر بنایا گیا تھا جو صرف ۱۷ سال کے جوان تھے[1] اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بھی جواں ہی تھے کہ انہیں یمن وحضرموت کے اہم صوبے کے گورنری اور سیکرٹری تعلیم کی ذمہ داریاں بالترتیب دی گئیں تھیں بقول ڈاکٹر حمید اللہ آپ رضی اللہ عنہ گاؤں گاؤں اور ضلع ضلع تعلیمی دورے کیا کرتے تھے[2] علاوہ ازیں آپ ﷺ کے مشیر اکثر نوجوان تھے۔ اسی طرح سیاستِ مدن اور نظم نسق کیلئے عہدِ رسالت میں ہر گاؤں اور بستی میں دس آدمیوں پر ایک عریف مقرر تھا جو اکثر نوجوان ہوا کرتا تھا۔ چونکہ ان تمام امور میں آپ ﷺ کو مستعدی اور تعمیل پیش نظر ہوتا تھا جو ایک جواں ہی بہتر طور سے سرانجام دے سکتا تھا جو آج کی اشد ضرورت ہے تاکہ امت مسلمہ کی اہم ذمہ داریاں کم وقت اور کم خرچ پر سرانجام دے دی جائیں اور امت کو فائدہ پہنچایا جائے۔

حدیث میں دورِ جوانی کو نعمت قرار دیا گیا ہے لہٰذا اس کو صحیح رخ پر ڈالنا بہت ضروری ہے۔ دنیا کی تاریخ بتاتی ہے کہ دینِ حق کی دعوت میں جوانوں کا بڑا کردار رہا ہے۔ قرآن مجید میں کئی ایک جوانوں کا تذکرہ ملتا ہے، ان میں سے چند ایک کے نام بطورِ خصوصی قابلِ ذکر ہیں: ابراہیم، لوط، موسیٰ، یوسف، اصحابِ کہف اور محمد واحمد مجتبیٰ رسول اللہ ﷺ اور ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن کا خصوصی تذکرہ قرآن مجید کے اوراق کی زینت ہے۔ اصحابِ کہف جن کے دلوں نے ایمان کی دولت پاتے ہی ہر طرح کے ناز و نعم کو چھوڑ کر صحرا، بیاباں اور پہاڑوں کا رخ کیا، حکومتِ وقت کی ریشہ دوانیوں سے بچنے اور اپنے ایمان کی دولت کو محفوظ کرنے کے لیے ہجرت کا پرخطر راستہ اختیار

(۱) ابن عبد البر، یوسف بن عبد اللہ، الاستیعاب (بہامش الاصابۃ)، مطبعہ مصطفی محمد مصر، ۱۹۳۹ء، ۲/ ۵۱۰

(۲) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، رسول اللہ ﷺ کی حکمرانی وجانشینی، بیکن بکس لاہور، ۲۰۰۶ء، ص: ۹۲

کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلامِ مجید میں ان جوانوں کی توصیف ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے:

﴿ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ﴾[1]

یہ چند نوجوان اپنے ربّ پر ایمان لائے تھے، اور ہم نے اُنھیں ہدایت میں ترقی دی تھی

نوجوان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا صبر واستقامت

مربی اعظم ﷺ نے ان کی تربیت ہی اس نہج پر کی تھی کہ ان کے اصولِ زندگی اوراخلاق نہایت اعلی ہوں۔ اعلی معیار زندگی کے لیے انہوں نے عزیمت کا راستہ اختیار کیا تا کہ دین کے جامع پروگرام کے ذریعے دنیاو آخرت کی سرخروئی سے ہم کنار ہو جائیں۔ دینِ اسلام جو ایک نعمتِ عظمٰی کو عام کرنے کے لیے نوجوان صحابہ کرام عمار ان کی والدہ سمیہ، صہیب رومی، بلال حبشی اور مقداد بن اسود رضی اللہ عنہم کو مشرکین پکڑ کر سخت تپتی دھوپ میں لوہے کی زرہ پہناتے تھے اور طرح طرح کے عذاب سے دوچار کرتے۔

دعوت وعزیمت

دعوت دین وہ میدان ہے جس میں خدمات سرانجام دینے کے لئے اللہ نے ان برگزیدہ ہستیوں کو منتخب کیا، عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

> "اصحابِ محمد ﷺ کی سنت پر چلو۔۔۔ وہ امت کے سب سے بہتر لوگ تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے نبی ﷺ کی صحبت اور آنے والی نسلوں تک اپنا دین پہنچانے کے لیے چُن لیا تھا"[2]

اس راستے میں محض رضائے الٰہی کے خاطر طرح طرح کے آزمائشوں سے گزرے اور سخت ترین اذیتوں پر صبر کیا۔ کسی کام کو انجام تک پہنچانے کی ہمت اور جرأت کی عظیم قوت اس نوجوانی کے دور میں پائی جاتی ہے۔ ماہرینِ علم النفس نے زندگی کے اس دور کو حساس اور نازک دور قرار دیا ہے کہ اس عرصہ میں جو راہ بھی اسے مل جائے اپنا لیتا ہے خواہ اس میں مشکلات سے دوچار ہونا پڑے لیکن محنت سے جی نہیں چراتا۔ اس کی بہترین مثال قرآن مجید میں حضرت ابراہیم اور دیگر حضراتِ انبیاء علیہم السلام کے واقعات ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نارِ نمرود اور دیگر آزمائشوں سے دوچار ہونا پڑا لیکن کسی قسم کا خوف اور تردد نہ کیا۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب کہا ہے:

---

(۱) سورۃ الکہف:۱۳

(۲) ابن الاثیر، مجد الدین، ابو السعادات المبارک بن محمد، جامع الأصول فی احادیث الرسول، تحقیق: عبد القادر الأرناؤط، مکتبہ الحلوانی، دار البیان، طبع اول، ۱/ ۲۹۲

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق　　عقل ہے محو تماشائے لبِ بام ابھی

خرد کی گھتیاں سلجھا چکا میں　　مرے مولا مجھے صاحب جنوں کر[۱]

ایسے صاحبِ جنوں نوجوان حضرت یوسف علیہ السلام کی مشقت بھری زندگی، عفت وپاکدامنی میں، ہمت وجرأت کی ایک نادر مثال ہے، جس نے عیش وعشرت، رنگینی اور سلطنت کو مات دی اور سرنگوں ہونے پر مجبور کیا۔ جوانی کے اس سہانے دور کی قدر وقیمت کا اندازہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اِغْتَنِمْ خمساً قَبْلَ خمسٍ، شَبابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ وَ صِحَتَكَ قَبْلَ سُقمِكَ وَ غِنَاكَ قَبْلَ فَقْرِكَ وَ فَرَاغَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ وَ حَيٰوتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ»[۲]

پانچ باتوں کو پانچ سے پہلے غنیمت جانو: جوانی کو بڑھاپے سے پہلے، صحت کو بیماری سے پہلے، مالداری کو فقر سے پہلے، فارغ اوقات کو مشغولیت سے پہلے اور زندگی کو موت سے پہلے۔

اس حدیث میں جن پانچ چیزوں کو غنیمت جاننے کی بات کی گئی ہے ان میں سے ایک جوانی ہے۔ شباب اور جوانی زندگی کا وہ سنہرا اور قوائے جسمانی کا قابلِ ذکر دور ہے جو انسانی صلاحیتوں سے مستفید ہونے کا دورِ کامل کہا جاسکتا ہے۔ اس دور کے صلاحیتوں سے فائدہ اٹھاکر کوئی بھی کام منزلِ مقصود تک پہنچایا جاسکتا ہے۔ بڑے بڑے انقلابات بھرپا کیے جاسکتے ہیں۔ لہٰذا آج کے مسلم نوجوان ہر طرح کے صلاحیتوں سے بہرہ ور ہیں، ان کی ان صلاحیتوں سے فائدہ اٹھاکر امتِ مسلمہ کو کامیابی کے مقام پر لا کھڑا کیا جاسکتا ہے، جو پوری دنیا میں زوال کا شکار ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایسے ہی دور زوال میں ایک عظیم تاریخ رقم کی ہے، جو قابلِ ذکر ہونے کے ساتھ قابلِ تقلید بھی ہے۔

ضعفائے امت کی پامردی واستقامت

ایسے لوگوں نے ہمیشہ سے تاریخ میں عظیم کارنامے سرانجام دئے ہیں جو اپنے دور میں کمزور اور بے وقعت خیال کیے جاتے تھے، خواہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ہو یا سابقہ انبیاء کا، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا نَرَاكَ اتَّبَعَكَ إِلَّا الَّذِينَ هُمْ أَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّأْيِ﴾[۳]

اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہماری قوم میں سے بس ان لوگوں نے جو ہمارے ہاں اراذل تھے بے سوچے سمجھے تمہاری پیروی اختیار کرلی ہے

---

(۱) علامہ، محمد اقبال، بانگ درا، رابعہ بک ہاوس الکریم مارکیٹ، لاہور، ص:۲۴۸

(۲) الحاکم، ابوعبد اللہ، مستدرک علی الصحیحین، بمع تعلیقات ذہبی، ۴/۳۴۱

(۳) سورۃ ھود:۲۷

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے فرمایا کہ ان کمزور مگر اللہ کے دین کے پروانوں کے ساتھ رہ کر دنیا کے اندر انقلاب لایا جاسکتا ہے۔ یہ بڑے کمال کے لوگ ہیں، ان پر اپنی نظریں جمائیں، ان سے توقعات وابستہ رکھیں کیونکہ یہی ہیں دین کے پروانے، ہر مشکل میں ساتھ دینے والے اور ہر قسم کی قربانی کے لیے تیار رہنے والے، فرمایا:

﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ﴾[۱]

اور اپنے دل کو ان لوگوں کی معیت پر مطمئن کرو جو اپنے رب کی رضا کے طلب گار بن کر صبح و شام اسے پکارتے ہیں، اور ان سے ہر گز نگاہ نہ پھیرو

ذیل میں ان وفا شعاروں کی پامردی کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے جنہوں نے زمانے کا رخ موڑ دیا تھا۔

حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ

آپ کا نام بلال بن رباح حبشی، کنیت ابو عبد اللہ یا ابو عبد الرحمان ہے۔ آپ مؤذن رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ناظمِ بیت المال اور سابقین اسلام میں سے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوات میں شامل رہے ہیں۔ آپ نے رسول اللہ کے وفات کے بعد آذان دینا چھوڑ دی تھی اور دمشق میں بیس ۲۰ ہجری میں وفات پائی۔ بخاری اور مسلم نے آپ کی روایات کو نقل کیا ہے[۲]۔ امیہ بن خلف کے غلام تھے وہ ان کو بطحاء مکہ میں سخت تپتی دھوپ میں لے آتا، ان کو چت لٹا کر سینے کے اوپر ایک بہت بڑا بھاری پتھر رکھ چھوڑتا، کبھی گائے کی کھال میں لپیٹتا، کبھی لوہے کی زرہ پہنا کر جلتی دھوپ میں بٹھاتا، اور کہتا کہ تم اس حال میں رہو گے یہاں تک کہ مر جاؤ یا پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے باز آجاؤ گے، لیکن آپ رضی اللہ عنہ تھے کہ اس حال میں بھی اَحَدْ اَحَدْ پکارتے۔ مشرکین کے بچے ان کے گلے میں رسی ڈال کر بازیچہ اطفال بناتے، ابو جہل منہ کے بل سنگریزوں پر لٹا کر اوپر سے پتھر کی چکی رکھ دیتا۔ ابو بکر صدیق کا گھر بنی جُمَحْ کے محلے میں تھا وہ یہ ظلم دیکھتے دیکھتے تنگ آگئے، آخر انہوں نے انہیں خرید کر آزاد کر دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے موذن رسول کا لقب پایا اور خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آذان دینا چھوڑ دی تھی لیکن جب بھی آذان دی، لوگوں کو مرغ بسمل کی طرح تڑپا دیتے اور عہدِ نبوی کا نقشہ لوگوں کے سامنے گھوم جاتا۔[۳]

---

(۱) سورۃ الکہف:۲۸

(۲) ابن عساکر، مختصر تاریخ دمشق، تحقیق: روحیۃ النحاس، وغیرہ، دار الفکر للطباعۃ والتوزیع والنشر، دمشق، طبع اول، ۱۹۸۴ء، ۲۰/۶۶، وزارۃ الأوقاف المصریۃ، تراجم موجزۃ للأعلام، ۱/۸۵

(۳) ابن حبان، محمد بن حبان البستی، الإحسان فی تقریب صحیح ابن حبان، ترتیب: علی بن بلبان، تخریج و تعلیق: شعیب الأرناؤط، مؤسسہ الرسالہ، بیروت، طبع اول:۱۹۸۸ء، ۱۵/۵۵۸

حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حواری اور پھوپھی زاد بھائی ہونے کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمزلف بھی تھے۔ سولہ سال کے عمر میں نورِ ایمان سے بہرور اور اس راستے میں صبر و استقامت کے پہاڑ ثابت ہوئے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے چچا آپ کو چٹائی میں لپیٹ کر باندھ دیتا اور اس قدر دھونی دیتا کہ دم گھٹنے لگتا لیکن وہ ہمیشہ یہی کہتے کچھ بھی کرلو اب میں کافر نہیں ہو سکتا[۱]۔ آپ رضی اللہ عنہ کی پوری زندگی دینِ اسلام کی سربلندی میں گزری۔ وفاشعاری اور فداکاری میں بے مثال۔ ۳۶ھ میں چونسٹھ (۶۴) سال کی عمر میں شہادت کا رتبہ پایا۔ مدینہ میں آپ رضی اللہ عنہ اور طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کا بھائی چارہ تھا۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی ترغیب سے آپ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تھا۔ اس وقت ان کی عمر اٹھارہ سال کے لگ بھگ تھی اور ان آٹھ لوگوں میں سے ہیں جو ابتدائے اسلام میں ایمان لائے تھے۔ ان صاحب عزیمت واستقامت لوگوں میں سے ہیں جن کو قبولِ اسلام کی وجہ سے سخت سے سخت اذیتیں دی گئیں۔ آپ رضی اللہ عنہ جب اسلام لائے تو اپنے بھائی عثمان بن عبید اللہ نے جو ایک سخت مزاج شخص تھا آپ رضی اللہ عنہ کو اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ایک رسی سے باندھ کر سخت تشدد کا نشانا بنایا کہ اس طرح وہ اپنا مذہب چھوڑ دیں گے لیکن توحید کا نشہ ایسا نہ تھا جو چڑھ کر اتر جاتا۔[۲]

عظیم داعی اور قاری مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ

آپؓ رضی اللہ عنہ اہلِ مکہ میں سب سے خوش پوش، خوش عیش، خوبصورت اور نہایت بہادر نوجوان تھے لیکن اسلام لانے کے بعد نہایت زاہدانہ اور فقیرانہ زندگی بسر کی اور مصعب الخیر کے لقب سے پکارے جانے لگے۔ بنی عبد الدار سے تعلق تھا، بدری صحابی اور سابقین اولین میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ اسلام میں سفیر اول کے ساتھ معلمِ اوّل کا اعزاز بھی آپ رضی اللہ عنہ ہی کو حاصل ہے۔ اسلام لانے کی پاداش میں گھر والوں نے رسی سے باندھ کر قید کر دیا۔ مہاجرین حبشہ کے ساتھ بھاگ کر ہجرت کی جہاں سے واپس مکہ آکر مدینہ کی طرف عازمِ ہجرت ہوئے۔ یہ وہ شخصیت ہیں جنہوں نے مدینہ میں سب سے پہلے نماز جمعہ کا آغاز کیا اور اہل مدینہ کے قاری جانے جاتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر مدینہ منورہ کے سب سے بڑے سردار اُسید بن حضیر وسعد ابن معاذ رضی اللہ عنہم مسلمان ہوئے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے ہجرت النبی اور مدینہ النبی کی تاسیس میں خشتِ اول کا کام کیا اور دنیا کے نقشے پر سب سے پہلی اسلامی ریاست کے استحکام میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ یہ قابل رشک

(۱) ابن حجر، احمد بن علی، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، تذکرہ زبیر بن العوام، دار الجیل، بیروت، طبع اول: ۱۴۱۲ھ، ۱/۵۲۶

(۲) ابن الاثیر، مجد الدین، ابو السعادات المبارک بن محمد، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، مکتبہ اسلامیہ طہران، ۳/۵۹

ہستی احد میں شہید ہوئی اور اتنا کفن دستیاب نہ ہوسکا کہ جس میں انہیں دفنایا جاتا، سر مبارک کو کپڑے سے ڈھانپا گیا اور پاؤں پر اذخر گھاس ڈال دی گئی ۔ [1]

حضرت فاطمہ وسعید رضی اللہ عنہما اور دعوت وعزیمت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے دعوت کے راستے میں سختیاں برداشت کیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں لہولہان ہونا پڑا لیکن ان کے دلوں میں شمع ایمان روشن رہی اور ان دونوں کے عظیم دعوتی کردار نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے سخت دل انسان کو موم بنایا اور عرب کے اس نامور فرزند عمر رضی اللہ عنہ کو جو کہ اس وقت صرف ٢٦ سال کے باہمت وباصلاحیت نوجوان تھے، جسے آگے چل کر فاروق اعظم بننا تھا فاطمہ بنتِ خطاب اور سعید رضی اللہ عنہما نے ان کے اسلام کا خشت اول رکھ دیا۔

آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی بہن کو خون میں نہلاتے دیکھ کر احساسِ ندامت میں کہا جو کچھ تم پڑھ رہے تھے مجھے بھی پڑھ کر سناو۔ اس شیر دل بہادر نوجوان عورت نے اپنے جسم سے خون صاف کیا اور وضو کرنے کے بعد سورتِ طہ کی تلاوت شروع کی تو ﴿لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرَىٰ﴾ [2] کے سننے سے عمر رضی اللہ عنہ کا دل نرم ہوتا گیا اور جب فاطمہ ﴿إِنَّنِي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي﴾ [3] پر پہنچیں تو عمر رضی اللہ عنہ بے اختیار زار وقطار رونے لگے، کفر دل سے نکل کر اسلام دل کی اتھاہ گہرائیوں میں اتر چکا تھا۔ تب حضرت خباب رضی اللہ عنہ کی معیت میں آپ رضی اللہ عنہ کوہ صفا پر واقع دارِ ارقم میں حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر قبول اسلام سے شرف یاب ہوگئے، جہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جوشِ مسرت میں صدائے تکبیر بلند کی، جو بیت اللہ میں موجود لوگوں نے سنی اور اس کے بعد صحابہ کرام دو صفوں میں حضرت حمزہ اور عمر رضی اللہ عنہما کی قیادت میں بیت اللہ میں آئے اور اس منظر کو قریش دیکھ رہے تھے۔ اس واقعہ کے ساتھ ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو الفاروق کا خطاب ملا [4]۔

دعوتِ دین اور خدمتِ اسلام کے لئے اس ناتواں مگر شیر دل نوجوان خاتون نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے مردِ آہن کے دل کو پگھلایا جو کبھی اپنی بہن اور بہنوئی کو قبولِ اسلام کی پاداش میں باندھ بھی دیا کرتے تھے [5] اور اس عظیم ہستی کی صورت میں فاطمہ رضی اللہ عنہا اور سعید رضی اللہ عنہ نے وہ کارنامہ سرانجام دیا کہ دنیا جسے عمر

---

(١) الحاکم، نیشاپوری، ابو عبد اللہ، الأسامی والکنی، تحقیق: یوسف بن محمد، دار الغرباء الأثریہ، مدینہ منورہ، طبع اول: ١٩٩٤ء، ٥/ ٢٩١

(٢) سورۃ طہ: ٦

(٣) سورۃ طہ: ١٤

(٤) ابن عساکر، مختصر تاریخ دمشق، ١٨/ ٢٦٩

(٥) صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب اِسلام عمر، حدیث نمبر: ٣٨٦٧، ص: ١٤٧

الفاروق رضی اللہ عنہ کے نام سے یاد رکھتی ہے جس کا نام نامی اسلامی تاریخ میں زندہ وجاوید حیثیت رکھتا ہے، آپ کے اسلام لانے سے دعوتِ اسلام کو اعلانیہ پھیلنے کا موقعہ ملا اور مسلمان قوی ہو گئے۔(۱)

عمار وصہیب رضی اللہ عنہم کا صبر واستقامت

حضرت عمار رضی اللہ عنہ یمن کے رہنے والے تھے۔ جب مکہ آئے تو ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے حلیف رہے اور ان کی لونڈی سمیہ سے شادی کی۔ اور جب اسلام آیا تو سارے خاندان نے اسلام قبول کیا تو پورا خاندان مبتلائے عذاب کر دیا گیا۔ عمار رضی اللہ عنہ ان صاحبانِ عزیمت میں شامل ہیں کہ جن کی سیرت نے دوسرے اہلِ ایمان کو ہمت وحوصلہ دیا۔ اس باہمت مردِ درویش پر قریش اور امیہ بن خلف کے دستِ ستم کو دیکھ کر جو کبھی آپ رضی اللہ عنہ کو انگاروں پر لٹاتے اور کبھی پانی میں غوطہ دیتے، از راہِ محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سر پر ہاتھ پھیر کر فرماتے:

﴿ يَا نارُ كُونِي بَرْداً وَسَلاماً عَلىٰ عَمَّارٍ كَمَا كُنْتِ عَلَى إِبْرَاهِيمَ﴾ (۲)

اے آگ ابراہیم کی طرح عمار پر ٹھنڈی ہو جا

اسی طرح ایک مرتبہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم عمار، اور ان کے والد اور والدہ کے پاس سے گزرے جن کو بطحائے مکہ میں عذاب دیا جا رہا تھا تو فرمایا: «اصْبِرُوا يَا آلَ عَمَّارٍ فَإِنَّ مَوْعِدَكُمُ الْجَنَّةُ»(۳) ان کے والد یاسر، والدہ سمیہ اور بھائی عبداللہ رضی اللہ عنہم عذاب سہتے سہتے دنیا سے چلے گئے تھے، اب صرف عمار رہ گئے تھے۔ حضرت عمار کا شمار عظیم لوگوں میں سے ہے، جس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«وَاهْتَدُوا بِهَدْيِ عَمَّارٍ وَتَمَسَّكُوا بِعَهْدِ ابْنِ أُمِّ عَبْدٍ»(۴)

عمار رضی اللہ عنہ سے راہنمائی لو اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے وفائے عہد سیکھو

حضرت صہیب وعمار رضی اللہ عنہم ایک ہی دن ایمان لائے تھے جس وقت تقریباً تیس لوگ ایمان لا چکے تھے اور ان کمزور اہل ایمان لوگوں میں سے تھے جنہیں اسلام کی وجہ سے مکہ میں عذاب دیا جاتا تھا۔

---

(۱) جس کے بارے میں ذکوان کا بیان ہے کہ میں نے عائشہؓ سے پوچھا کہ عمرؓ کا نام فاروق کس نے رکھا تھا؟ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالی نے حق کو عمرؓ کی زبان اور دل پہ القاء کیا ہے، اور وہ فاروق ہیں جن سے اللہ نے حق وباطل کے درمیان فرق کیا، انہوں نے اس وقت اسلام کا اعلان کیا جب لوگ اسے چھپا رہے تھے۔ دیکھیے: ابن عساکر، مختصر تاریخ دمشق، تحقیق: روحیہ النحاس، دار الفکر للطباعہ والنشر، دمشق، طبع اول: ۱۹۸۴ء، ۱۸/ ۲۷۷

(۲) ابن سعد، محمد، الطبقات الکبریٰ، تحقیق: محمد عبد القادر عطا، دار الکتب العلمیہ بیروت، طبع اول: ۱۹۹۰ء، ۳/ ۱۸۸

(۳) الحاکم، مستدرک علی الصحیحین، ۳/ ۴۳۲

(۴) خطیب بغدادی، احمد بن علی، تاریخ بغداد، مطبعہ السعادہ بجوار محافظہ مصر، ۱۹۳۱ء، ۴/ ۳۴۷

عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

"كَانَ صُهَيْبُ بْنُ سِنَانٍ مِنَ الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ كَانُوا يُعَذَّبُونَ فِي اللَّهِ بِمَكَّةَ"(۱)

اور جب ہجرت کا ارادہ کیا تو اہل مکہ نے جو سلوک کیا وہ حضرت ابو عثمان نہدی رحمہ اللہ رضی اللہ عنہ کی زبانی کچھ یوں ہے:

بَلَغَنِي أَنَّ صُهَيْبًا حِينَ أَرَادَ الْهِجْرَةَ إِلَى الْمَدِينَةِ قَالَ لَهُ أَهْلُ مَكَّةَ: أَتَيْتَنَا هَاهُنَا صُعْلُوكًا حَقِيرًا فَكَثُرَ مَالُكَ عِنْدَنَا وَبَلَغْتَ مَا بَلَغْتَ ثُمَّ تَنْطَلِقُ بِنَفْسِكَ وَمَالِكَ؟ وَاللَّهِ لا يَكُونُ ذَلِكَ. فَقَالَ: أَرَأَيْتُمْ إِنْ تَرَكْتُ مَالِي تُخَلُّونَ أَنْتُمْ سَبِيلِي؟ قَالُوا: نَعَمْ. فَجَعَلَ لَهُمْ مَالَهُ أَجْمَعَ، فبلغ النبيﷺ فقال: «رَبِحَ صُهَيْبٌ، رَبِحَ صُهَيْبٌ»(۲)

مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ جب صہیب نے ہجرتِ مدینہ کا ارادہ کیا تو اہلِ مکہ نے اس سے کہا: تو ہمارے ہاں قلاش حقیر ہو کے آئے تھے، پھر آپ کی مال کی یہ حالت ہو گئی۔ اور اب تو اپنی مال و جان کو لے کے جا رہے ہیں؟ قسم بخدا ایسا نہیں ہو گا۔ آپ نے فرمایا اگر میں یہ مال چھوڑ جاوں تو کیا تم میرا راستہ چھوڑ جاوگے؟ کہنے لگے ہاں۔ تو آپ نے ان کو اپنا تمام مال چھوڑا۔ اور یہ بات جب آپ کو پہنچی تو دو مرتبہ فرمایا: صہیب نے نفع کا سودا کیا۔

اس منظر کو شمس نوید عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ یوں نظم کیا ہے:

جو اس کی سمت بڑھے بے نوا غلام تھے وہ — شکار عشق و ستیفو تھے اسیر دام تھے وہ
نظام شرک کے کچلے ہوئے عوام تھے وہ
وہ سب دہکتی ہوئی بھٹیوں میں ڈالے گئے — اندھیرے ٹوٹ کے برسے جدھر اجالے گئے
وطن کی گود سے دھتکار کر نکالے گئے(۳)

استہزاء و استخفاف اور مظلوموں کی پامردی و استقلال

عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عمار بن یاسر، خباب بن الارت، صہیب رومی، بلال بن رباح، ابوفکیہ اور عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہم جیسے لوگ سردار انِ قریش مسجد حرام میں بیٹھے دیکھتے تو مذاق اڑاتے ہوئے کہتے تھے کہ یہ ہیں اس شخص کے ساتھی؟ کیا ہمارے درمیان صرف یہی لوگ اللہ کے فضل کے مستحق رہ گئے تھے(۴) قرآن مجید نے ان کی رعونت کی تصدیق ان الفاظ میں کی ہے:

---

(۱) ابن سعد، الطبقات الکبری، ۳/۱۷۱
(۲) ایضاً
(۳) عثمانی، شمس نوید، کیا ہم مسلمان ہیں؟ حصہ دوم، ادراہ مطبوعات طلبہ، اچھرہ لاہور، طبع اول، ۲۰۰۸ء، ص:۱۱
(۴) بلاذری، احمد بن یحیی، الانساب الاشراف، تحقیق: عبد القادر عطاء، دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبع اول، ۱۹۹۰ء، ۳/۱۷۱
مودودی، سید ابوالاعلی، سیرت سرور عالم، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ۱۹۹۹ء، ۲/۵۳۲

﴿وَكَذَٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِيَقُولُوا أَهَٰؤُلَاءِ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنْ بَيْنِنَا أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِالشَّاكِرِينَ﴾ (۱)

اور اسی طرح ہم نے بعض کو بعض کے ذریعہ سے آزمایا ہے تاکہ یہ لوگ کہیں کیا یہی ہیں ہم میں سے جن پر اللہ نے فضل کیا ہے کیا اللہ شکر گزاروں کو جاننے والا نہیں ہے۔

مظلوموں پر ظلم وستم کے نتائج

مشرکین مکہ کا خیال تھا کہ وہ ان کمزور اور مفلوک الحال مسلمانوں کا مذاق اڑانے اوراذیت دینے اوران پر اپنے جبر ودہشت جیسے کمینہ حرکتوں کا خوف طاری کر کے اسلام سے روکنے میں کامیاب ہو جائیں گے اور اسلام کے پھیلاؤ کو روک دیں گے لیکن نتائج ان کے توقعات کے برخلاف سامنے آرہے تھے۔ معاشرے کے ہر صالح عنصر اور فرد ان مظلومین کے اخلاقِ عالیہ کا گرویدہ ہوتا جارہا تھا اور اپنے ابنائے جنس سے نفرت کرنے لگے تھے۔ سید مودودی رحمۃ اللہ علیہ اس ضمن میں لکھتے ہیں:

"اس بے رحمی وسنگدلی کو دیکھ کر ہر نیک سرشت انسان کی فطرت کفر اور اس کے علمبرداروں سے نفرت کرنے لگی اور جس صبر واستقامت کے ساتھ مسلمانوں نے اس بے جا ظلم کو برداشت کیا اس کی وجہ سے تمام غیر متعصب دلوں میں ان کے لئے ہمدردی بھی پیدا ہوئی اور قدر ومنزلت بھی۔۔۔ سب سے بڑا فائدہ اس ظلم کا اسلام کو یہ پہنچا کہ اس بھٹی سے گزر کر جو لوگ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آئے وہ نسلِ آدم کے بہترین انسان تھے۔ اس حالت میں کوئی کمزور سیرت و کردار کا آدمی اس طرف کارخ بھی نہ کر سکتا تھا" (۲)

اسلام میں ضعیف اور کمزور مسلمانوں کا رتبہ

صبر واستقامت کے ان متوالوں نے سنگدلانِ زمانہ کے دلوں کے تالے توڑ دیے اور ان میں ایمان کی تخم ریزی کی اور حسنِ اخلاق سے اس کی ایسی آبیاری کی جس کے نتیجے میں اسلام کو پھیلنے کا موقعہ ملا۔ ایسے اصحابِ عزیمت اہلِ ایمان کا جو رتبہ اللہ تعالی نے قابلِ رشک انداز میں بیان کیا ہے، اس کا تذکرہ سابقہ ابحاث میں گزرا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اصحابِ عزیمت لوگوں کی صحبت میں رہا کرو جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں صبح وشام اپنے رب کے پکارنے کو

---

(۱) سورۃ الانعام: ۵۳

(۲) مودودی، سیرت سرورِ عالم، ۲/۵۵۱

اپنا مطمع نظر بنائے ہوئے ہیں اور اسی کی رضامندی چاہتے ہیں لہذا ان کو اپنے آنکھوں کے سامنے سے نہ ہٹانا چنانچہ امام مسلم سورۃ الکہف آیت ۲۸ کی تفسیر میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا اثر ذکر کرتے ہیں:

"ان سے مراد وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جو غریب اور کمزور تھے جن کے ساتھ بیٹھنا اشرافِ قریش کو گوارانہ تھا۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم چھ آدمی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے، میرے علاوہ بلال، ابن مسعود رضی اللہ عنہ ایک ہذیل قبیلے کا صحابی اور دو صحابہ رضی اللہ عنہم اور تھے۔ قریشِ مکہ نے خواہش ظاہر کی کہ ان لوگوں کو اپنے پاس سے ہٹادو تاکہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات سنیں، لیکن اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسا کرنے سے منع کیا"(١)۔

لیکن ان سنگدلانِ زمانہ کو کیا معلوم کہ یہ ضعیف اور کمزور لوگ معاشرے کے لئے باعثِ خیر اور رحمت ہیں، اگر ان کے حقوق سے آنکھیں بند کر دی جائیں اور ان کے عزت و قار کا خیال نہ رکھا جائے تو مخلوق پر اللہ کی رحمتیں روک دی جاتی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا:

«مَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرِ الْمُسْلِمِينَ شَيْئًا فَاحْتَجَبَ عَنْ ضَعَفَةِ الْمُسْلِمِينَ احْتَجَبَ اللهُ عَنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»(٢)

جس کو مسلمانوں کی کوئی ذمہ داری سونپی گئی اور اس نے ضعیف وکمزور مسلمانوں کو اپنے سے دوور کھا، قیامت والے دن اللہ تعالیٰ ان کو اپنے سے دور کر کے ان سے پردہ فرمائے گا

یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ معاشرے کے نادار اور کمزور لوگوں کے حقوق کی ادائیگی کا پورا پورا خیال رکھا۔ وہ معاشرہ اسودہ حال اور مطمئن تھا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس ان کے پاس جایا کرتے تھے اور ان کے سماجی معاملات میں شرکت فرماتے تھے۔ ابو امامہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ:

«يَأْتِي ضُعَفَاءَ الْمُسْلِمِينَ، وَيَزُورُهُمْ وَيَعُودُ مَرْضَاهُمْ، وَيَشْهَدُ جَنَائِزَهُمْ»(٣)

کمزور اور مظلوم مسلمانوں کے پاس آتے، ان کی زیارت فرماتے، ان کی مریضوں کی عیادت کرتے اور ان کے جنازوں میں شرکت فرماتے تھے۔

انہی غریب اور نادار مسلمانوں کا اللہ کے ہاں بڑا رتبہ ہے اور قیامت والے دن بھی کام آسکتے ہیں، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث مبارکہ میں فرمایا:

---

(١) مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہ، حدیث نمبر: ٢٤١٣، دارالحدیث قاہرہ، ١٩٩١ء، ٤/ ١٨٧٨

(٢) طبرانی، المعجم الکبیر، تحقیق: حمدی بن عبد المجید السلفی، مکتبہ ابن تیمیہ، القاہرۃ طبع دوم: ١٩٩٤ء، ٢٠/ ١٥٢

(٣) حاکم، محمد بن عبد اللہ، مستدرک علی الصحیحین، ٢/ ٥٠٦

«اطْلُبُوا الْأَيَادِي عِنْدَ فُقَرَاءِ الْمُسْلِمِينَ فَإِنَّ لَهُمْ دَوْلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ»(۱)

غریب اور فقیر مسلمانوں کا قرب حاصل کرو کیونکہ قیامت کے دن وہ بڑی سلطنت کے مالک ہوں گے۔

یعنی بڑے صاحب قدر و منزلت ہوں گے اور مالداروں سے پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے (۲)

اسی تناظر میں غریب اور نادار مسلمان اللہ کے نبی ﷺ کے ہاں کیا مرتبہ رکھتے تھے؟ وَاثِلہ بن واثلہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں اہل صفہ میں سے تھا، ایک دن آپ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا:

«كَيْفَ أَنْتُمْ بَعْدِي إِذَا شَبِعْتُمْ مِنْ خُبْزِ الْبُرِّ وَالزَّيْتِ، وَأَكَلْتُمْ مِنْ أَلْوَانِ الطَّعَامِ، وَلَبِسْتُمْ أَلْوَانَ الثِّيَابِ؟ فَأَنْتُمُ الْيَوْمَ خَيْرٌ»(۳)

تمہارا کیا حال ہو گا میرے بعد جب تم گندم کی روٹی اور روغن سے سیر ہو جاؤ گے اور قسم قسم کے کھانے کھاؤ گے اور قسم قسم کے لباس پہنو گے؟ لیکن آج تم جس حالت میں ہوں اس سے بہت بہتر ہو۔

نبی کریم ﷺ کی مراد یہ تھی کہ آج کی جو تمہاری حالت ہے آخرت کے لحاظ سے بہت بہتر ہے، اس کا اندازہ قحط سالی رضی اللہ عنہ کے اس واقعے سے لگایا جاسکتا ہے جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں پیش آیا تھا جس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سو اونٹوں پر مشتمل غلے کا تجارتی قافلہ شام آیا اور تاجران وقت نے بڑی خطیر رقموں کی پیشکش کی لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے اس سے زیادہ کی پیش کش ہوئی ہے۔ لیکن تاجروں کو یہ بات سمجھ نہیں آئی اور سوچنے لگے کہ وہ کون ہو گا جو ہم سے زیادہ قیمت دے سکے؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اللہ عزوجل نے ہر درہم کے عوض مجھ سے دس کا وعدہ کیا ہے۔ کیا تمہارے پاس اس سے زیادہ ہے تو انہوں نے کہا بخدا نہیں، پھر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے یہ غلہ فقیر اور محتاج مسلمانوں کے لئے صدقہ کر دیا ہے"(۴)

یہ عظیم صدقہ جو غریب، کمزور اور محتاج لوگوں پر کیا گیا تھا اللہ کے ہاں اس قدر محبوب ٹھہرا کہ ابن عَبّاس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے اسی رات رَسُول اللہ ﷺ کو ترکی گھوڑے پر سوار خواب میں دیکھا جو نور کا خوبصورت جوڑا زیب تن کئے ہوئے تھے اور پاؤں میں نور کے جوتے اور ہاتھ میں نور کی ایک چھڑی تھی۔ آپ ﷺ جلدی میں تھے، میں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ میں آپ ﷺ کے ساتھ بات چیت کا انتہائی مشتاق ہوں، آپ

---

(۱) ابو نعیم، أحمد بن عبد اللہ الاصبہانی، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، السعادۃ بجوار محافظہ مصر، ۱۹۷۴ء، ۸/۲۹۷

(۲) احمد بن حنبل، الامام، مسند ابی ہریرہ، تحقیق: شعیب الارناؤط وآخرون، مؤسسۃ الرسالۃ، طبع اول: ۲۰۰۱ء، ۱۴/۲۰۸

(۳) الدولابی، محمد بن احمد، الکنی والاسماء، تحقیق: ابو قتیبہ نظر محمد الفاریابی، دار ابن حزم، بیروت، طبع اول، ۲۰۰۰ء، ۲/۵۱۷

(۴) آجری، محمد بن الحسین، الشریعہ، تحقیق: ڈاکٹر عبد اللہ بن عمر، دار الوطن، ریاض، طبع دوم: ۱۹۹۹ء، ۴/۲۰۱۲

صلی اللہ علیہ وسلم کہاں جلدی میں ہیں ؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک عظیم صدقہ کیا ہے اور اللہ تعالی نے اسے قبول کیا اور اسے اس کے بدلے جنت میں ایک حور سے نکاح کرایا ہے اور ہمیں شادی کی دعوت دی ہے۔ (۱)

خلاصہ بحث

مالی تنگی اور سماجی حالات میں ناہمواری زندگی میں عظیم کارناموں کو سرانجام دینے میں مانع نہیں ہوتی، اگر فکری ہم آہنگی اور جذبہ صادقہ ساتھ ہو تو جوانی کا یہ دور بہت ہی قیمتی سرمایاہے۔ مال کمانے کا تعلق ہو یا حصول علم کا یا صلاحیتوں اور مہارتوں میں نکھار پیدا کرنا ہو، ان سب کا صحیح وقت بھی یہی ہے۔ اسی عمر میں نوجوان مختلف علوم وفنون کی منازل طے کر سکتے ہیں۔ اسی دور کے عمل کو علامہ اقبال نے "ضربِ کاری" قرار دیا ہے۔ عمر کے اسی مرحلے میں نوجوان صحابہ نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے شانہ بشانہ عہد وپیمان باندھا اور بڑے بڑے کارنامے انجام دیے تو بارگاہِ نبوی سے صدیق، الفاروق، شیر خدا، سیف اللہ وغیرہ جیسے عظیم القابات حاصل ہوئے۔

اسی عمر میں ابن تیمیہ، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ جیسے مجدد دین علوم کی گہرائیوں میں اترے، اسی دور شباب میں صلاح الدین ایوبی، طارق بن زیاد اور محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہم نے اسلامی تاریخ کو اپنے کارناموں سے منور کیا۔ اسی عمر میں حسن البنا شہید رحمۃ اللہ علیہ نے مصر کی سرزمین میں مدوجزر اور فرعونی وطاغوتی نظام کے اندر تلاطم خیزی پیدا کی اور دعوت الی اللہ کے لیے مسکن بنایا۔ صحافت کے میدان میں مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا سید ابوالاعلی مودودی رحمۃ اللہ علیہما نے نوجوانی ہی میں کارہائے نمایاں انجام دئے۔

سید مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے محض چوبیس (۲۴) سال کی عمر میں "الجہاد فی الاسلام" جیسی معرکہ آرا کتاب لکھ کر ان تمام غلط فہمیوں کا ازالہ کیا جن میں اس وقت نہ صرف غیر مسلم بلکہ مسلمان بھی گرفتار تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی عمر کو غنیمت سمجھنے کی تلقین کی ہے کیونکہ بڑے بڑے معرکے اور کارنامے اسی عمر میں انجام دئے جاسکتے ہیں۔

آج کا نوجوان اگر مؤاخات کی روشنی میں ایک دوسرے کے بھائی ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾ اور سرپرست ﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ﴾ بن جائیں تو کون سی چیز امت مسلمہ کو قیادت سے روک سکتی ہے۔ ہر انقلاب چاہے سیاسی ہو یا اقتصادی، معاشرتی ہو یا سائنسی، اطلاعاتی ہو یا نشریاتی، یا ملکی و بین الاقوامی سطح کا ہو، غرض ہر میدان میں جوانوں کا کردار نہایت اہم اور کلیدی ہوتا ہے۔ روس کا انقلاب ہو یا فرانس کا، عرب بہاریہ ہو یا مارٹن لوتھر کنگ کا برپا کردہ انقلاب، غرض کہ ہر انقلاب کو برپا کرنے کے پیچھے جوانوں کا اہم کردار کارفرما رہا ہے۔ ماضی میں جو بھی چھوٹی بڑی تبدیلی آئی جوانوں ہی کے ذریعہ آئی ہے اور زمانہ حال میں بھی ہر چھوٹی بڑی

---

(۱) الشریعہ، ۲۰۱۲/۴

تنظیم یا تحریک چاہے سیاسی ہو یا مذہبی، سماجی ہو یا عسکری ان میں جوان ہی پیش پیش ہیں۔ مستقبل میں بھی ہر قوم وملک اور تنظیم انہی پر اپنی نگاہیں اور توجہ مرکوز کئے رکھے گی۔

نتائج

۱۔ جوانی کی زندگی میں تمام تر قوائے جسمانی اور صلاحیتیں عموماً بحال ہوتی ہیں۔
۲۔ ان صلاحیتوں سے اگر بروقت فائدہ نہ اٹھایا جائے تو ضائع ہو جاتی ہیں۔
۳۔ جوانوں کی سرگرمیاں ہر تہذیب میں مسلم رہی ہیں۔
۴۔ جوان ہی معاشروں میں مستقبل کے معمار شمار کئے جاتے ہیں۔
۵۔ ان سے عموماً ذمہ داریاں نبھانے کی امیدیں وابستہ کی جاتی ہیں۔

سفارشات

۱۔ مثبت پرگراموں کے ذریعے جوانوں کی صلاحیتیں قوم وملک کے لئے کارآمد بنائی جائیں۔
۲۔ امانت ودیانت، خداخوفی، جذبہ ایثار، اخلاص وفا، ہمدردی وبھائی چارہ، سادگی وسچائی، علم سے محبت اور خوش خلقی جیسی صفات واخلاق ان میں ودیعت کرنے کا اہتمام اسی عمر میں کیا جانا چاہئے۔
۳۔ اخوتِ اسلامی کو فروغ دینے کے لیے ان کے اندر جذبہ بیدار کیا جائے۔
۴۔ اصول پسندی کو ان کی روح میں ڈالا جائے۔
۵۔ نظم وضبط کے قیام میں کردار ادا کرنے کے لئے ان کی تربیت کی جائے۔

❁❁❁